فضائل علم مرتضوی

سید محبوب الرحمٰن نیازی، جے پور

بزار نے جابر بن عبد اللہ اور عقیل ابن عدی ابن عمر سے اور طبرانی نے دونوں سے اور حاکم نے علی ابن عمر اور بغوی اور ابو نعیم نے جناب علی مرتضٰی سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''أنا مدینة العلم وعلی بابھا'' یعنی، میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں اور بغوی اور طبرانی کی روایت میں ابن عباس سے بسند مرفوع یہ الفاظ زیادہ ہیں۔ ''فمن اراد العلم فلیات من بابھا'' جو شخص علم کا ارادہ کرے اس کو چاہئے کہ دروازہ سے اندر داخل ہو۔ حاکم نے اس حدیث کی تصحیح اور اعلائی اور ابن حجر نے تحسین کی ہے اور ایک جماعت نے اس کی روایت کی ہے۔ ترمزی اور ابو نعیم کی روایت میں دار العلم کا لفظ ہے، دیلمی نے سلمان فارسی سے روایت کی ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ اعلم امتی بعدی علی ابی طالب، میری امت میں میرے بعد سب سے زیادہ عالم علی ہیں، اور عبد اللہ بن مسعود نے حضور صلعم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ حکمت کے دس حصہ کیے گئے ہیں، جس میں سے حضرت علیؑ کو نو اور بقیہ امت کو ایک حصہ ملا۔ جناب علی مرتضٰی کے اعلم امت ہونے پر آثار صحابہ اور اقوال سلف بہت ہیں، جن کو بخیال طول ترک کیا جاتا ہے، شوق ہو تو دیکھو سوانح عمری حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ مولفہ مولوی عبد اللہ بسمل امرت سری۔

علم القرآن

امام احمد بن حنبل نے حضرت عمر ابن خطاب کے حوالہ سے حدیث بیان کی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضور صلعم نے جناب علی مرتضٰی سے فرمایا کہ تم سب مومنوں سے پہلے ایمان

لانے والے اور خدا کی آیتوں کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے اور سب سے زیادہ خدا کے عہد کو پورا کرنے والے اور سب سے زیادہ رعایا کے ساتھ مہربانی اور سب سے زیادہ تقسیم میں مساوات کا خیال رکھنے والے اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ منزلت والے ہو۔

اور امام جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفا میں لکھتے ہیں کہ علی مرتضیٰ ان لوگوں میں سے ہیں، جنہوں نے قرآن شریف کو جمع کر کے حضور صلعم کے سامنے پیش کردیا تھا اور وہی دوسری جگہ بروایت ابن امیر بن عکرمہ بن ابی جہل سے نقل کرتے ہیں کہ جناب علی مرتضیٰ نے حضرت ابوبکر کی بیعت میں چند روز تامل فرمایا، تو حضرت ابوبکر نے دریافت کیا کہ کیا آپ میری بیعت کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، مگر میں نے عہد کیا ہے کہ اپنی ردا کو سوائے نماز کے نہ اوڑھوں گا، یہاں تک کہ قرآن شریف کو نہ جمع کر لوں، کیونکہ اندیشہ ہے کہ لوگ اس میں کمی بیشی نہ کردیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ آپ کی رائے بہت مناسب ہے۔

طبرانی نے اوسط میں حضرت ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ علی مع القرآن والقرآن مع علی لایتفرقان حتیٰ وردا علی الحوض علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ، یہ دونوں جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں۔

عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صورتیں حضور کو سنائیں اور علی مرتضیٰ نے پورا قرآن شریف سنایا۔ محمد ابن ابی حنیفہ کہتے ہیں کہ آیت شریف من عندہ ام الکتاب سے مراد حضرت علی مرتضیٰ ہیں۔

علم بالتوریت والانجیل والزبور

امام فخر الدین رازی اربعین میں لکھتے ہیں کہ جناب امیر نے فرمایا کہ اگر میرے لئے مسند بچھائی جائے اور میں اس پر بیٹھوں، تو اہل توریت کے لئے توریت سے اور اہل انجیل کے لئے انجیل سے اور اہل زبور کے لئے زبور سے اور اہل قرآن کے لئے قرآن سے حکم کرسکتا ہوں۔ اصبح بن بنانہ کہتے ہیں کہ میں حضرت امیر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں

ایک یہودی آیا اور اپنے سوال کیا کہ ہمارا رب کب سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ میں تیرے کان میں کہوں تو اس کو اپنے دل میں یاد رکھ، کیونکہ میں جو کچھ تجھے کہوں گا، وہ اس کتاب کے حوالہ سے ہوگا، جو موسیٰ عمران پر نازل ہوئی اور تو اپنی کتاب کو پڑھے گا، تو اس میں ویسا ہی پائے گا۔ آپ نے فرمایا: "انما یقال متی کان ربنا الم یکن ثم کان فاما من لم یزل بلا کیف یکون بلا کیذو نہ کائن لم یزل قبل القبل ولا البعد ولا یزال بلا کیف ولا غایۃ ولا منتھیٰ الیعہ نقطعت وونا الغایات فھو غایۃ کل غایۃ۔

یہ سن کر یہودی رو پڑا اور بولا کہ بے شک توریت میں ایسی عبارت کا ترجمہ ہے اور پھر مسلمان ہوگیا۔

علم تفسیر وقرات

عبد اللہ بن عباس رئیس المفسرین اور ترجمان القرآن سمجھے جاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک رات جناب امیر نے باءِ بسم اللہ کے لفظ کی تفسیر فرمانی شروع کی، تو آپ بیان فرماتے رہے، یہاں تک صبح ہوگئی، مگر وہ تفسیر پوری نہ ہوئی۔ میں اپنے آپ کو جناب امیر کے سامنے مثل ایک فوارے کے پاتا تھا، جو بحر زخار کے سامنے ہو۔

تاریخ الخلفا میں ہے کہ ابن سعد نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تمام قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے، جس کی بابت میں یہ نہیں جانتا ہوں کہ کس امر میں کہاں اور کس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے، مجھکو اللہ پاک نے دل دانا اور زبان ناطق عطا فرمائی ہے۔

کشف الظنون میں ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ قرآن شریف سات قرآتوں پر نازل ہوا ہے اور اس میں کوئی ایسا حرف نہیں ہے، جس کا ظاہر وباطن نہ ہو اور علی اس کے تمام ظواہر و بواطن سے واقف ہیں۔

قاری ابو عبد الرحمٰن سلمی ایک طویل حدیث میں کہتے ہیں، جو استیعاب میں نقل کی گئی

ہے کہ ہم نے جناب امیر سے زیادہ کوئی قاری نہیں دیکھا۔ عبد الرحمٰن سب قراء کے استاد مانے گئے ہیں۔

علم الحدیث

جناب امیر علیہ السلام کی مرویات بہ نسبت دیگر صحابہ کے کم ہیں، جن کی تعداد پانچ سو چھیاسی (۵۸۶) حدیثوں کے قریب ہے، جن میں سے بیس (۲۰) صحیحین میں مروی ہیں اور متفق علیہ ہیں اور نو (۹) بخاری میں اور پندرہ (۱۵) مسلم میں علیحدہ علیحدہ مروی ہیں۔ ان کا سبب یہ نہیں ہے کہ باوجود طویل صحبت نبویؐ وحضور جمیع ومغازی ومشاہد آپ کے حفظ احادیث میں کمی تھی، بلکہ تاریخ کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب امیر کے عہد خلافت میں مسلمانوں کی جماعت چار گروہوں پر منقسم ہوگئی تھی۔ ایک گروہ بنی امیہ کا ہوا خواہ تھا، جو ابتدائے خلافت سے آپ کا مخالف تھا، یہ گروہ بوجہ خصومت کے جناب امیر سے بالکل روایت نہیں کرتا تھا۔ بلکہ برسر محراب ومنبر یہ لوگ جناب امیر پر سو برس سے زیادہ زمانہ تک سب وشتم کرتا رہا اور سوئے اتفاق سے بعد کے زمانہ میں حکومت انہی لوگوں کے ہاتھ میں رہی۔

دوسرا گروہ وہ تھا، جو حضرت امیر کا مخالف تھا، لیکن کھلم کھلا طرفدار بھی نہ تھا، یہ بنی امیہ کے رعب کی وجہ سے جناب امیر کے نام کو ادب کے ساتھ زبان پر نہیں لاسکتا تھا۔ چہ جائے کہ آپ سے علی الاعلان روایت حدیث کرتا۔ تیسرا گروہ وہ خود آپ کے متبعین کا تھا، لیکن بعد محاربہ صفین اس گروہ کے دو فریق ہوگئے تھے، ایک خوارج جو معاذ اللہ آپ کو کافر سمجھتے تھے اور انہی کے ہاتھ سے آپ شہید ہوئے، تو پھر روایت حدیث بھلا کیا کرتے۔ چوتھا گروہ وہ جو دل وجان سے آپ کی محبت پر ثابت قدم تھا۔ مگر انکی تعداد بہت قلیل تھی اور آپ کی شہادت کے بعد یہ لوگ بھی بخوف بنی امیہ مخفی طور پر جناب امیر سے روایت حدیث کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے رسالہ اثبات سماع الحسن البصری عن علی میں اس مبحث پر طویل بحث کی ہے، ہم بخیال ایجاز یہاں اس کی نقل سے پہلو تہی کرتے ہیں، مگر اس تشریح

سے مختصر طور پر روشنی پڑتی ہے، جس کی بنا پر جناب امیر سے روایت حدیث کم ہوئی، ورنہ حفظ حدیث میں آپ کسی سے کم نہ تھے۔

علم الفقہ والقضاء یا والفرائض

انس اور ابو سعید خدری سے مختلف سلسلوں کے ساتھ روایت ہے کہ میرے بعد میری امت میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے علی ابن طالب ہیں، خود حضورؐ کی حیات شریف میں آپ قاضی مقرر ہو گئے تھے۔ امام احمد حنبل نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضورؐ کے پاس علی مرتضٰی کے ایک فیصلہ کا ذکر کیا گیا، تو آپ نے تعجب کیا اور فرمایا ''شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے اہلبیت کو حکمت عطا فرمائی۔''

حضورؐ نے حضرت علی مرتضٰی کو یمن میں قاضی مقرر فرما کر روانہ کیا تھا اور آپ کے واسطے دعائی عطائی علم قضا فرمائی تھی، جس کا یہ سب کچھ ظہور تھا، وہاں سے آپ کے فیصلہ بغرض اپیل حضورؐ کے سامنے آتے تھے، مگر آپ ان کی تجویزوں کو بحال رکھتے تھے چنانچہ ان فیصلوں میں سے کچھ کو نقل کیا جاتا ہے۔

چار آدمی ایک ایسی گڑھے میں جس میں شیر گرا ہوا تھا، اس طرح سے گرے کہ ایک کا پاؤں لڑکھڑ لیا، تو اس نے دوسرے کو پکڑا اور دوسرے نے تیسر کو اور تیسرے نے چوتھے کو پکڑا۔ جناب امیر نے خون بہا کا یوں فیصلہ فرمایا کہ جن لوگوں نے گڑھا کھودا تھا، ان کو جمع کر کے خون بہا کا چہارم اور ثلث اور نصف اور پورا حصہ وصول کرایا جائے۔ پہلے کی بابت ایک چہارم دیت دی کہ اس نے تین کو ہلاک کیا تھا اور دوسرے کی بابت ایک ثلث کہ اس نے دو کو ہلاک کیا تھا اور تیسرے کی بابت نصف کہ اس نے ایک کو ہلاک کیا تھا اور چوتھے کی بابت پوری دیت دلوائی، کیونکہ اس نے کسی کو ہلاک نہیں کیا تھا۔ یہ لوگ اس فیصلہ سے ناراض ہو کر حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ مگر آپ نے حضرت علیؑ کا فیصلہ بحال فرمایا۔ (ازالتہ الخفا)

حضورؐ کی کی خدمت اقدس میں ایک شخص فریاد لایا کہ یا رسول اللہؐ، میرا ایک گدھا تھا اور دوسرے کی گائے تھی، گائے نے گدھے کو مار ڈالا۔ ایک شخص نے حاضرین میں سے کہا کہ جانوروں کے فعل کا کوئی ذمہ دار نہیں ہے۔ آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم فیصلہ کردو۔ حضرت علیؑ نے دریافت فرمایا کہ دونوں جانور بندھے تھے یا دونوں کھلے تھے یا ایک بندھا اور ایک کھلا تھا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ گدھا بندھا ہوا تھا اور گائے کھلی ہوئی تھی۔ آپ نے گائے والے سے گدھے والے کو نقصان کا معاوضہ دلوانا تجویز کیا اور حضورؐ نے اس فیصلہ کی تصدیق فرمائی۔

ایک مرتبہ قاضی شریح نے ام المومنین سے مسح علی الخفین کا مسئلہ دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا کہ حضرت علیؑ سے پوچھو، ایک شخص نے حضرت عمر سے پوچھا کہ میں کہاں سے عمرہ کیا کروں، تو آپ نے فرمایا کہ حضرت علیؑ سے پوچھ۔ حضرت عمر فرماتے تھے کہ جناب امیر کے مسجد میں ہوتے ہوئے اور کسی کو فتویٰ نہیں دیا جانا چاہئے اور آپ نے ایک دن خطبہ میں فرمایا کہ ہم سب میں بڑے قاضی حضرت علیؑ ہیں۔

جناب خلیفہ دوم سے ان کے عہد خلافت میں کہا گیا کہ کعبہ کے زیورات آپ لے کر مسلمانوں میں تقسیم کرادیں، کیونکہ کعبہ کو زیور کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے جناب امیر سے دریافت فرمایا، تو انہوں نے جواب دیا کہ حضورؐ پر قرآن شریف نازل ہوا، اس میں چار قسم کے اموال کا ذکر ہے، ایک مسلمانوں کا مال ہے، جو ذوی الفرائض اور ورثا میں تقسیم ہوتا ہے، ایک جزیہ ہے کہ وہ مستحقوں میں بانٹا جاتا ہے اور اسی طرح خمس وزکوٰۃ ہیں، جو اپنے اپنے مصارف میں صرف ہوتے ہیں، کعبہ کا زیور زمانہ نزول وحی میں موجود تھا، مگر خدا نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور رسول اللہؐ نے اس کے بارہ میں کوئی حکم نہیں دیا، آپ بھی اس کو اسی طرح پر رہنے دیں، جس طرح خدا اور رسولؐ نے اس کو اس کے حال پہ چھوڑ دیا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ علی اگر تم نہ ہوتے تو ہماری بڑی رسوائی ہوتی۔

ایک مرتبہ حضرت عمر نے حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے کہ نہ نقصان پہونچا سکتا ہے نہ نفع، اگر حضورؐ حکم نہ دیتے تو میں تجھ کو نہ چومتا۔ جناب امیر موجود تھے، آپ نے فرمایا کہ یہ پتھر نفع ونقصان پہونچا سکتا ہے۔ پھر ایک طویل حدیث میں اپنے اس قول کی توجیہ فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن حجر اسود آئے گا اور اس کی زبان نہایت تیز ہوگی اور اس شخص کے حق میں گواہی دیگا، جس نے توحید کے ساتھ اسے چوما ہوگا۔ پس اے امیر المومنین یہ پتھر نفع ونقصان پہونچا سکتا ہے۔ خلیفۂ دوم نے فرمایا کہ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں ایسی قوم میں زندہ رہوں، جس میں ابوالحسن نہ ہوں۔

خلیفہ دوم نے ایک عورت کے رجم کا قصد فرمایا، جو نکاح کے چھ مہینہ بعد بچہ جنتی تھی۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"حمله وفصاله ثلاثون شهراً(پاره ۲۶ سوره" الاحقاف آیت ۱۵ ص ۲۸ے)

یعنی مدت حمل وفصال ۳۰ مہینے ہے۔

"حولین کاملین " (پارہ ۲ سورہ بقرہ آیت ۲۳۳ ص ۵۶) یعنی، اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچے کو دو برس۔

بس مدت حمل چھ مہینے قرار پائی۔

اس وقت خلیفہ دوم نے فرمایا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا ہوتا۔

اسی طرح ایک مرتبہ خلیفۂ دوم کے جھڑکنے سے ایک عورت نے اعتراف زنا کرلیا تھا۔ آپ نے اس پر حد جاری فرمائی چاہی جناب امیر نے روکا اور حدیث بیان کی کہ بعد تشدد کے اعتراف کرنے والے پر حد نہیں ہے۔ حضرت عمر نے اس عورت کو چھوڑ دیا اور فرمایا کہ "عورتیں علی ابن ابی طالب جیسا جننے سے قاصر ہیں۔"

دو شخص ایک عورت کے پاس سو دینار امانت رکھ گئے اور یہ کہہ گئے کہ جب ہم دونوں اکٹھے ہوکر آئیں، اس وقت ہمیں دیجیو۔ چند روز بعد ان میں سے ایک آیا اور یہ بیان کیا کہ اس کا ساتھی مرگیا اور اس حیلہ سے زرامانت لے گیا۔ چند روز بعد دوسرا آیا اور اس نے اپنی امانت طلب کی۔ جب عورت نے یہ کہا کہ تیرا دوسرا ساتھی رقم لے گیا ہے۔ تو اس نے یہ حجت پیش کی کہ سپردگی امانت کے وقت یہ شرط کرلی گئی تھی کہ دونوں مجتمع ہوں، جب امانت ادا کی جائے، تو نے اکیلے کو کیسے دیدی۔ قضیہ خلیفۂ دوم کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے جناب امیر کے پاس بھیج دیا۔ وہ سمجھ گئے کہ دونوں ساز باز کر کے دوبارہ روپیہ وصول کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ تم بموجب شرط اپنے ہمراہی کو لے کر آؤ، اس وقت روپیہ ادا کیا جائے گا۔

خلیفۂ دوم کے زمانہ میں ایک مطلقہ عورت کا شوہر اس کی عدت کے زمانہ میں فوت ہوگیا۔ اس نے میراث کا دعویٰ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ مسئلہ معلوم نہیں۔ آخر جناب امیر کی طرف رجوع کیا، تو آپ نے اس عورت سے اس امر کا حلف لے کر کہ ہنوز تین طہر منقضی نہیں ہوئے ہیں، اس کو میراث دی۔

خود جناب امیر کے عہد خلافت میں ایک عورت کا شوہر تین رفیقوں کے ساتھ سفر میں گیا، وہ تینوں رفیق واپس آئے، تو اس عورت کو کسی طرح معلوم ہوا کہ انھوں نے اس کے شوہر کو قتل کردیا ہے، مگر شہادت نہ تھی۔ مقدمہ آپ کے پاس رجوع ہوا، تو آپ نے تینوں کو علیحدہ علیحدہ بٹھایا اور ایک شخص کا بیان لینے میں باواز بلند تکبیر فرمائی، دوسرے کو یقین ہوگیا کہ ہمارے ساتھی نے اقبال جرم کرلیا ہے، اب ہمارا انکار بے سود ہے۔ چنانچہ دونوں نے بھی قتل کا اعتراف کرلیا۔ پھر اس تیسرے آدمی سے آپ نے فرمایا کہ تیرا انکار اب تجھ کو نفع نہیں پہونچا سکتا، کیونکہ تیرے ساتھیوں کی شہادت تجھے مجرم ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ آخر اس نے بھی اقبال کیا اور مقدمہ واشگاف ہوگیا۔

دو آدمی ایک جگہ روٹی کھا رہے تھے ۔ ایک کے پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس پانچ تھیں، ایک اور شخص شریک طعام ہوگیا اور کھانے کے بعد آٹھ درہم دیکر چلا گیا۔ پانچ روٹی والے نے تین درہم تین روٹی والے کو دینے چاہے اور پانچ درہم خود لینے چاہے، وہ رضامند نہ ہوا، تو مقدمہ جناب امیر کی پیش گاہ میں رجوع ہوا۔ آپ نے تین روٹی والے سے فرمایا کہ تو تین درہم لے لے، یہ تیرے حق سے زیادہ ہے۔ اس نے نہ مانا تو آپ نے فرمایا کہ بروئے انصاف تجھ کو ایک درہم پہونچتا ہے ۔ پھر ارشاد کیا کہ آٹھ روٹیوں کو بہ حصہ مساوی تین لوگوں میں تقسیم کیا جائے ، چوبیس ٹکڑے کرنے پڑیں گے، گویا ہر روٹی کے تین ٹکڑے ہوئے ، پھر اسکو تین آدمی بہ حصہ مساوی کھائیں ، تو ایک کے حصہ میں آٹھ ٹکڑے آئیں گے۔ تیری تین روٹیوں کے کل نو ٹکڑے تھے اور دوسرے کی پانچ روٹیوں کے پندرہ ٹکڑے تھے، پھر تو نے آٹھ ٹکڑے خود کھائے تو تیرا صرف ایک ٹکڑا بچا، وہ شخص ثالث نے کھایا اور تیرے ساتھی نے بھی آٹھ ٹکڑے کھائے ، تو اس کے سات ٹکڑے بچے ، وہ شخص ثالث نے کھائے۔ تیسرے شخص نے آٹھ درہم دیئے ہیں اور فی ٹکڑا ایک درہم پڑتا ہے، لہذا سات ٹکڑے والے کو سات درہم دلائے جائیں گے اور تیرا ایک ٹکڑا تھا تجھ کو ایک درہم دیا جائے گا۔

امیر معاویہ نے جناب امیر کو لکھ کر دریافت کیا کہ خنثی کو میراث عورت کی دی جائے یا مرد کی۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اس کا دارومدار پیشاب گاہ کی شکل پر ہے۔ اگر مرد کے مشابہ ہے، تو میراث مرد پائے گا اور اگر عورت کے مشابہ ہے، تو میراث عورت پائے گی۔

ایک شیر خوار بچہ کے بارے میں دو عورتوں میں جھگڑا تھا، ہر ایک بچہ کو اپنا بتاتی تھی۔ مقدمہ پیش گاہ خلیفۂ دوم کی عدالت سے فیصلہ کے لئے جناب امیر کے حوالہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک بڑھئی کو بلاؤ ، وہ آرے سے چیر کر اس بچہ کو دو ٹکڑے کردے، ایک ایک ٹکڑا دونوں کو دیدیا جائے گا۔ لڑکے کی اصل ماں نے جب یہ فیصلہ سنا، بے اختیار ہو کر کہنے لگی کہ مجھ کو لڑکا نہیں چاہئے، وہ کسی کے پاس رہے زندہ رہے اور دوسری عورت خاموش کھڑی رہی۔

آپ نے پہچان لیا کہ وہ اس کی ماں نہیں ہے۔ وہ بچہ اس کی اصل ماں کو دیدیا۔

شراب کی تعزیر پہلے چالیس کوڑے تھی۔ خلیفۂ دوم کے زمانہ میں جناب امیر کی رائے سے اسی کوڑے مقرر ہوئے، کیونکہ شرابی نشہ میں جھوٹ بولتا ہے اور افترا کرتا ہے اور مفتری کی حد اسی کوڑے ہیں۔

ایک شخص نے بحالت احرام چند انڈے کھائے، پھر اس کا مسئلہ پوچھنے خلیفۂ دوم کے پاس گیا۔ آپ اس کو لیکر جناب امیر کی خدمت میں گئے، انھوں نے فرمایا کہ جتنے انڈے کھائے ہیں، اتنی باکرہ اونٹنیوں پر نر چھوڑ دیئے جائیں اور جتنے بچے پیدا ہوں، ان کی قربانی کی جائے۔ خلیفۂ دوم نے فرمایا کہ نطفہ کبھی ضائع بھی ہوجاتا ہے، یہ کیا ضروری ہے کہ جتنے انڈے کھائے ہوں، اتنے ہی بچے پیدا ہوں۔ جناب امیر نے فرمایا کہ انڈے بھی گندے ہوجاتے ہیں، یہ بھی ضروری نہیں کہ جتنے انڈے بٹھائے جائیں، اتنے ہی بچے پیدا ہوں۔ خلیفۂ دوم نے دعا فرمائی کہ خدایا جب کبھی مجھ پر ایسی سختی پیش آوے، تو ابوالحسن کو میرے داہنی طرف موجود رکھ۔ عبداللہ ابن مسعود اور مغیرہ کہتے ہیں کہ جناب امیر فرائض اہل مدینہ میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور مطالب السؤال اور مناقب الاصحاب میں اس علم کے چند عجیب وغریب فیصلے جناب امیر کے ذکر کیے گئے ہیں، بخیال طوالت ان کا تذکرہ نہیں کیا جاتا۔ مندرجہ بالا فیصلوں پر آپ کی قوت قضا کا اندازہ کافی طور پر سے ہوسکتا ہے۔

ائمہ اربعہ فقہ میں سب سے زیادہ افقہ امام اعظم علیہ الرحمہ سمجھے جاتے ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد آپ کے تلامذہ کے سلسلہ میں ہیں اور امام اعظم بروایت حافظ ذہبی صاحب طبقات امام جعفر صادقؑ کے تلامذہ میں ہیں۔ اس طرح کا سلسلہ بھی جناب امیر کو منتہی ہوتا ہے۔

علم السلوک

متفق علیہ ہے کہ تمام سلاسل فقر جناب امیر پر منتہی ہوتے ہیں، اگرچہ نسبت خاصہ نقشبندیہ جناب سلمان فارسی نے خلیفۂ اول سے پائی، مگر ان کی تمام تر تربیت سلوک جناب

مرتضوی نے فرمائی اور وہ ان صحابیوں میں جو حضرت علیؑ کو افضل امت قرار دیتے ہیں اور حضرت قاسم بن ابو بکر جناب امیر کے معتقد تھے اور آپ ہی نے ان کی ظاہری وباطنی تربیت فرمائی اور آپ ہی کی رفاقت میں انہوں نے جان دی۔ حضرت قاسم کیا بلحاظ تربیت اپنے والد ماجد اور کیا بلحاظ تربیت سلمان فارسی فیضیاب جناب مرتضوی تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے بعد سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت امام جعفر صادق کا نام ہے، جو دولت امامت اپنے آبا اجداد سے حاصل کئے گئے تھے، ان حالات کا لحاظ کرنے سے یہ سلسلہ بھی آپ کے خوان فیض کا رہین منت ہے۔ فخر الدین رازی اربعین فی اصول الدین میں لکھتے ہیں کہ وامتها علم تسفية الباطن ومعلوم، ان نسب جميع الصوفية ممتهى الى على ۔

شکر فیض وچمن چوں کند اے ابر بہار
کہ اگر خار وگل ہمہ پروردہ تست

حضرت شاہ نیاز احمد صاحب فرماتے ہیں۔

نیاز ایسا ولی برحق کہ پیرو مرشد ہو اولیاء کا
بتا تو امت میں اس نبی کی کوئی بھی بن بوتراب دیکھا

خصوصاً حضرات چشت تو اس غلوی محبت میں حد سکر تک پہونچے ہوئے ہیں اور اکابرین نقشبندیہ رحمہم اللہ مثل حضرت امام ربانی مجدد ثانی بھی یہ تحریر فرماتے ہیں کہ مقام ولایت میں صحابہ میں سے کوئی بھی بلا وساطت مرتضوی داخل نہیں ہوا۔ البتہ مقامات نبوت میں اکثر صحابہ کو بہ تبعیت حضرت رسالت بلا وساطت جناب ولایت مآب سے نصیب ہوئی۔ جاننا چاہئے کہ اصطلاح تصوف میں ولایہ روبحق اور نبوت بعد الرجوع روبخلق کو کہتے ہیں۔ متقدمین کا مذہب ہے کہ ولایت نبی کی اس کی نبوت سے افضل ہے، مگر اس مسئلہ میں حضرت مجدد صاحب کو اختلاف ہے۔ آپ کے نزدیک نبوت نبی کی اس کی ولایت سے افضل ہے، پھر بتقدیر متفق علیہ طور پر شاہ ولایت جناب مرتضوی ہیں اور مقامات نبوت میں بھی آپ کو حظ وافر ہے۔ اس علم میں آپ کے کلمات انبیات اہل سلوک کے لئے مشعل راہ ہیں، جن میں

عرفان الٰہی بھرا ہوا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے صاحبزادے محمد ابن حنیفہ کو صمد کے معنی اس طرح سمجھائے ہیں، یابنیّ لا اسم ولا رسم ولا جسم لایکف ولاکیتونث ولا جسمانی ولاروحانی ولانفسانی ولا ظلمانی ولانورانی ولارأته عین ولاسمعته اذن ولاخطر علی قلب فهو الصمد۔ ارشاد ہوتا ہے کہ لوکشف الغطاء لماازددت یقیناً۔ اگر پردہ ہائے حجاب اٹھادئے جائیں، تو میرے یقین میں کچھ زیادتی نہ ہو، فرماتے ہیں کہ سلونی قبل ان تفقدونی عمادون العرش، مجھ کو کھونے سے پہلے مجھ سے عرش کے اوپر کے اسرار دریافت کرلو حقیقت انسانی کے متعلق ارشاد ہے،من عرف نفسه عرف ربه۔" غرض اگر آپ کے ملفوظات اکٹھے کئے جائیں تو وہ سرگشتگان وادی طلب اور تشنگان زلال شوق کے لئے سرچشمہ آب رحمت وہدایت ثابت ہوں۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے ازراہ عناد وامتحان آپ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے کبھی اپنے رب کو دیکھا ہے تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا، "ملکنت اعبد ربالم اره لم تره العیون بمشاهدة العیان ولکن رأة القلوب، بحقائق الایقان ازلی واحد لاشریک له احد لاثانی له فرد لا مثل له لایحطه مکان ولایداوله زمان ولایدرک بالحواس ولایقاس بالناس" اس قدر فرمانے پائے تھے کہ سائل چیخ مار کر بے ہوش ہوگیا۔

ایک مرتبہ خلیفۂ دوم نے جناب امیر سے تین سوال کئے۔ پہلا یہ کہ بسا اوقات ایک آدمی دوسرے آدمی سے محبت کرتا ہے، حالانکہ اس کو اس سے کوئی نیکی نہیں پہونچی ہوتی، بسا اوقات ایک آدمی دوسرے آدمی کو بلا کسی ظاہری وجہ عناد کے ناپسند کرتا ہے اور برا سمجھتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے۔ جناب امیر نے فرمایا کہ حضورؐ نے ارشاد کیا ہے کہ روحیں عالم ارواح میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتی ہیں، پھر اگر باہم آپس میں بوئے جنسیت سونگھتی ہیں، تو ایک دوسرے کی دوست ہوجاتی ہیں، ورنہ باہم مخالف ہوجاتی ہیں۔ پھر خلیفۂ دوم نے فرمایا کہ بسا اوقات آدمی بات کرتے کرتے بھول جاتا ہے، اس کا کیا سبب ہے۔ جناب امیر نے فرمایا کہ

میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ کہ قلوب پر مثل قمر کے روشن بادل آتا جاتا رہتا ہے، جب وہ ہوتا ہے تو انسان کا قلب روشن ہوتا ہے اور جب وہ مر جاتا ہے، اس وقت قلوب پر تاریکی چھا جاتی ہے، پھر خلیفۂ دوم نے دریافت فرمایا کہ بعض وقت کا خواب صحیح ہوتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ سوتے میں روحیں عروج کرتی ہیں، بعض عرش الٰہی تک پہونچ جاتی ہے۔ وہ جو کچھ دیکھتی ہے، بالکل صحیح ہوتا ہے اور بعض پیچھے رہ جاتی ہیں، ان کا خواب قابل اعتبار نہیں ہوتا ۔خلیفۂ دوم نے فرمایا کہ ان تین باتوں کی مجھ کو تلاش تھی، الحمد للہ کہ قبل از مرگ مجھ کو وہ بتادی گئیں۔ یہ مضمون بڑا وسیع ہے اور جداگانہ مستقل کتاب چاہتا ہے یہاں بطور تبرک کے اس قدر پر کفایت کی جاتی ہے۔

علم نحو

اس کے موجد ابو الاسود دوئلی سمجھے جاتے ہیں، جو جناب امیر کے رفقائے خاص میں سے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں جناب امیر کی خدمت میں حاضر ہوا، تو دیکھا کہ آپ گردن جھکائے کسی فکر میں ہیں۔ میں نے پوچھا کہ امیر المومنین آج آپ کیا فکر فرما رہے ہیں۔فرمایا میں نے تمہارے شہر میں لوگوں کو زبان کی غلطیاں کرتے دیکھا، میں چاہتا ہوں کہ چند قواعد مرتب کردوں، جس سے زبان کی حفاظت ہوسکے۔ ابو الاسود کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ ایسا کریں گے تو گویا زبان عرب کی بقا کا انتظام فرمائیں گے۔ پھر تین دن کے بعد آپ نے مجھ کو ایک کاغذ دیا، جس میں بسم اللہ کے بعد لکھا تھا کہ تمام کلام تین قسم پر منقسم ہیں، اسم، فعل اور حرف۔ اسم وہ ہے کہ اپنے مسمّی سے خبر دے اور فعل وہ ہے کہ مسمّی کی حرکت سے خبر دے اور حرف وہ ہے کہ جو ایسے معنی کی خبر دے کہ وہ نہ اسم ہو اور نہ فعل ہو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے ابو الاسود! اس کا اتباع کرو اور جو کچھ مناسب معلوم ہو اس میں بڑھاؤ، پھر فرمایا کہ اشیا تین قسم پر ہیں، ایک ظاہر ایک مضمر اور ایک وہ کہ جو نہ ظاہر ہو اور نہ مضمر ہو۔ ابو الاسود کہتے ہیں کہ میں نے اس قاعدہ کے مطابق بہت سی اشیاء دریافت کیں اور جناب امیر

کی خدمت میں پیش کیں، ان میں حروف ناصبہ کا بھی بیان تھا، جس میں میں نے اِنّ ۔ آنّ ۔لیت۔ لعل کا ذکر کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے لیکن کو کیوں نہ لکھا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھ کو معلوم نہ تھا، یہ بھی حروف ناصبہ میں سے ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں یہ بھی انہیں میں سے ہے۔ (تاریخ الخلفا علامہ جلال الدین سیوطی) ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں علم نحو کے اصلی موجد جناب امیر ہیں اور اس کے فروغ دینے والے آپ کے شاگرد ابوالاسود دوئلی ہیں۔

فصاحت و بلاغت

بحیثیت ایک مقرر وخطیب کے جناب امیر کا پایہ تمام ہم عصروں سے بڑھا ہوا تھا۔ آپ مسلم طور پر ایک خطیب فصیح البیان اور مقرر بلیغ اللسان مانے جاتے ہیں۔ آپ کے خطبے، خطوط، اقوال حکیمانہ اور ملفوظات فصحا اور بلغا کا دستور العمل رہے ہیں۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے چوتھی صدی ہجری میں ان کو نہج البلاغہ میں جمع کیا ہے اس کے مطالعہ سے اہل ادب کی استعداد بڑھتی ہے اور کامل النفس لوگوں کو حظ وافر حاصل ہوتا ہے۔ عبدالحمید بن یحیٰی جو ایک مشہور خطیب گزرے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امیر کے ستر خطبے یاد کئے ہیں تب اس مرتبہ کو پہونچا ہوں۔ آپ کی فصاحت کے معترف دوست اور دشمن سب ہیں، چنانچہ امیر معاویہ نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ خدا کی قسم قریش میں علیؑ سے زیادہ کوئی فصیح اور بامحاورہ بولنے والا نہیں ہے۔ یہاں نمونتاً آپ کی دو تحریروں کی نقل تحریر کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے غلام قنبر کو آزاد کرتے وقت سند آزادی ان الفاظ میں تحریر فرمائی تھی۔

کُنتَ امس لی فصرت الیوم مثلی وھبتک لمن وھبک لی۔ کتبہ علی۔

کل تو میری ملک تھا آج مجھ جیسا ہو گیا (آزاد)، جس نے تم کو مجھے بخشا تھا، اس کی راہ میں میں نے تم کو آزادی بخشی۔ یہ علیؑ نے تحریر کیا۔

ایک مرتبہ آپ نے صنعت تجنیس میں ایک عجیب بلیغ رقعہ امیر معاویہ کو بھیجا تھا، جو

میں نے بچپن میں پڑھا تھا اور اب تک یاد ہے، اگر نقطے نہ دیے جائیں، تو کوئی شخص اس کو مشکل سے صحیح پڑھ سکتا ہے۔

عزک عزک قضا رفصار ذالک ذلک فاحشن فاحشن معلک فعلک تهذی بدهی۔

تم کو تمہارے عزو افتخار نا پائدار نے مغرور کردیا ہے اپنے اعمال کی برائیوں سے بچو شاید کہ تم اس تحریر سے ہدایت حاصل کرسکو۔

شعر

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ چاروں خلفائے راشدین شعر کہتے تھے، مگر جناب امیر سب میں اچھا شعر کہتے تھے۔ آپ کا دیوان موجود ہے، جو سراپا نصائح و مواعظ دلپذیر سے پُر ہے اور چھپ گیا ہے۔ آپ کا انداز کلام دلنشین اور پرتا ثیر ہے، ہرچہ از دل خیزد بہ دل ریزد کا مصداق ہے اور وہی فصاحت وبلاغت جو آپ کی نثر میں نظر آتی ہے۔ نظم میں یہی بوجہ اتم پر تو فگن ہے۔ آپ کے اشعار سے استفادہ کے لئے دیوان کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ میں یہاں خلفائے اربعہ کے چار شعر نقل کرتا ہوں، جس سے علاوہ فصاحت وبلاغت کے باہم اختلاف مذاق کا ایک دلچسپ پہلو پیش نظر ہوجاتا ہے، ایک ہی مضمون چاروں بزرگوں نے اپنے مذاق کے بموجب نظم فرمایا ہے۔

خلیفہ اوّل

الموت باب وکل الناس داخله فیالیت شعری بعد الموت مالدار

موت ایک دروازہ ہے اور سب آدمی اس میں داخل ہوں گے، کاش معلوم ہوتا کہ مرنے کے بعد کونسا گھر ملے گا۔

خلیفہ ثانی

الدار نعیم ان عملت برضے الاروان خالفت فالنار

(ای نفس) اگر اعمال صالح کرے گا اور اللہ پاک خوشنود ہوجائے گا تو (بعد موت) جنت میں گھر ملے گا اور اگر مخالفت (اوامر نواہی) کی تو پھر دوزخ میں گھر ہوگا۔

خلفیہ ثالث

هما محلان ماللمرء غیر هما فاختر نفسک اے الدار مختار

(بعد مرگ) یہی دوگھر (جنت ونار) ہیں ان کے سوا اور کوئی گھر نہیں ہے، اب یہ تیری پسند ہے دونوں میں سے تو (بذریعہ عمل نیک وبد) جس گھر کو چاہے اپنے لئے اختیار کر لے۔

علی مرتضٰی

لیس للعباد سوی الفردوس ان عملوا وان هفو هفوۃ فالربّ غفار۔

اگر اعمال صالح کریں تو اس صورت میں تو بندوں کے لئے سوائے فردوس کے اور کوئی گھر ہی نہیں اور اگر کوئی لغزش بھی ہوجائے تو بھی اللہ غفار ہے۔

جوابات برجستہ

جناب امیر کی طبیعت ہر وقت موزوں اور حاضر رہتی تھی اور ایسا برمحل جواب دے جاتے تھے کہ لوگ دنگ رہ جاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضورؐ اپنے اصحاب کے ساتھ جن میں خود علی مرتضٰی بھی تھے، کھجوریں نوش فرمارہے تھے۔ آپ براہ خوش طبعی ومزاج گٹھلیاں جناب امیر کے سامنے ڈالتے جاتے تھے اور اصحاب بھی آپ کا تتبع کر رہے تھے، یہاں تک جناب امیر کے آگے گٹھلیوں کا ڈھیر ہوگیا۔ اس وقت حضورؐ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ کھانے والا کون ہے؟ اصحاب نے عرض کیا کہ جس کے آگے سب سے زیادہ گٹھلیاں ہوں وہی زیادہ کھانے والا ہے۔ جناب امیر نے برجستہ جواب دیا کہ نہیں، بلکہ زیادہ کھانے والا وہ ہے جو کھجوریں مع گٹھلیوں کے کھا گیا ہو۔

ایک شخص نے دریافت کیا کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ بندہ کا رزق صبح و شام اس کے پاس آجاتا ہے، تو آدمی اگر دروازہ بند کر کے بیٹھا رہے، تو رزق کس دروازہ سے آئے گا۔ آپ نے فوراً جواب دیا کہ جس دروازہ سے موت آئے گی۔

ایک مرتبہ آپ کے زمانہ خلافت میں ایک یہودی نے آپ سے کہا کہ ابھی آپ کے پیغمبر (روحی و قلبی فداہ ﷺ) کو پچیس ہی برس گزرے ہیں کہ آپ نے ان کو بھلا دیا اور باہم جھگڑے شروع کر دیئے۔ آپ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ابھی نیل کو عبور کر کے تم لوگوں کو فرعون کے ہاتھ سے بچایا ہی تھا اور کچھ بھی زمانہ نہیں گزرا تھا، مگر تم نے خدا کو بھلا کر گوسالہ پرستی شروع کر دی تھی۔ تم ہم پر کیا طعن کر سکتے ہو۔

ایک مرتبہ خوارج کے دس ذی علم آدمیوں نے آپ سے کہا کہ ہم مل کر آپ سے ایک سوال کرنا چاہتے ہیں، مگر خواہش یہ ہے کہ آپ ہم دسوں میں سے ہر ایک کو جداگانہ الفاظ اور جداگانہ طرز استدلال سے جواب دیجئے اور وہ سوال یہ ہے کہ علم بہتر ہے یا مال۔ آپ نے سلسلہ وار ہر ایک کو نئے الفاظ اور نئے دلائل سے جواب دیا، جس میں علم کی افضلیت ثابت فرمائی اور پھر فرمایا کہ قسم خدا کی اگر تم مجھ سے تا دم مرگ یہی سوال کرتے رہو گے تو میں ہر مرتبہ تم کو نئے طریقے سے جواب دیتا رہوں گا۔ یہ سن کر وہ خوارج آپ کے فضل و بزرگی کے معترف ہوئے اور انہوں نے آپ کی مخالفت سے توبہ کی۔ (تہذیب المتین)

کتابت

اس زمانہ میں اہل عرب لکھنا بہت کم جانتے تھے۔ مگر آپ نے اس فن میں بہت اچھی دستگاہ حاصل کر لی تھی اور حضورؐ نے جو نامہ سلاطین عالم کو بھیجے تھے اس میں اکثر آپ نے ہی قلمبند کئے تھے۔ صلح نامہ حدیبیہ کے کاتب آپ ہی تھے اور جب کبھی لکھنے کی ضرورت پیش آتی، آپ ہی کو بلایا جاتا تھا۔ آپ کے قلم سے متعدد قرآن شریف من اولہ الی اخرہ لکھے گئے ہیں۔ راقم آثم کے پاس بھی ایک ورق قرآن شریف کا ہے۔ جو چمڑے پر لکھا ہوا ہے اور

آپ کے دست مبارک کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اس کو اپنے لئے صحیفہ نجات تصور کئے ہوئے ہوں اور سنا ہے کہ ایک مکمل قرآن شریف آپ کے قلم کا لکھا ہوا ریاست رامپور میں پچاس ہزار روپے کے ہدیہ پر نواب کلب علی خاں مرحوم نے حاصل کیا تھا، وہ اب بھی ریاست کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ آپ کا قول ہے کہ اپنی اولاد کو خط کی مشق کراؤ، کیونکہ اچھا خط رزق کی کنجی ہے اور آپ نے نصیحت فرمائی کہ کتابت سیکھو، اس کے ذریعہ سے سلاطین و امرا کی توجہ تم پر منعطف ہوجائے گی۔

تعبیر خواب

خواب کی تعبیر میں بھی آپ کو خاص علم دیا گیا تھا، جو آپ کی اولاد اور آئمہ میں متوارث رہا اور امام جعفر صادق کی شہرت تعبیر محتاج تقریر نہیں۔ ابن سیرین مشہور معبر آپ ہی کے شاگرد ہیں۔

علوم ریاضی

علم آثار نجوم کی تعلیم کو آپ نے منع فرمایا ہے، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ ایاکم وتعلیم النجوم الاقیما یهتدی فی براو بحر۔ علم نجوم کے سیکھنے سے بچو، مگر اس قدر جس سے سفر، خشکی و دریا میں کام پڑتا ہے، مگر علم ہیئت میں آپ کو خدا دا ملکہ تھا اہرام مصری کی تاریخ بنیاد کے متعلق ایک مرتبہ گفتگو ہورہی تھی، کوئی اس کی تعبیر کا ٹھیک وقت معین نہیں کرسکتا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس پر کوئی تصویر بنی ہوئی ہے، عرض کیا کہ ایک چیل کی تصویر ہے، جس کے پنجہ میں خرچنگ (کیکڑا) ہے۔ آپ نے فرمایا، بنی اہرمان والنسر نے السرطان اہرام اس وقت بنے ہیں کہ نسر طائر سرطان میں تھا۔ پھر فرمایا کہ نسر دو ہزار برس میں ایک برج کو طے کرتا ہے اور آجکل جدی میں ہے، اس حساب سے اس کی تعمیر کو بارہ ہزار برس گذرے ہیں۔

اور حساب اور ہندسہ میں آپ کو اس قدر ملکہ تھا کہ بڑے اہم سوالات کھڑے

کھڑے زبانی حل فرما دیتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ فرائض کے دقیق سوالات آپ بے تکلف منٹوں میں حل کر دیتے تھے، چنانچہ محمد بن طلحہ شافعی مطالب السؤل میں لکھتے ہیں کہ ایک عورت جناب امیر کے پاس آئی، اس وقت آپ گھوڑے پر سوار ہو رہے تھے اور ایک پاؤں رکاب میں ڈالا تھا، اس نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین ! میر ابھائی چھ سو (۶۰۰) دینار چھوڑ کر مرا ہے، مگر لوگوں نے مجھے ایک دینار دیا ہے۔ آپ نے بلا تامل فرمایا کہ تیرے بھائی کے دو بیٹیاں ہوں گی، اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ دو ثلث، یعنی چار سو دینار ان کے ہوئے۔ پھر فرمایا کہ اس کی ماں بھی زندہ ہوگی۔ عرض کیا کہ ہاں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک صد، یعنی سو دینار اس کے ہوئے اور بیوی بھی ہوگی، اس کو ثمن، یعنی پچھتر دینار ملے ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ تیرے بارہ بھائی اور ہوں گے۔ اس نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ اس صورت میں تجھے ایک دینار پہونچتا ہے، کیونکہ دو دو دینار ہر بھائی کو ملے اور تجھ کو ایک دینار ملنا چاہیے۔ روٹیوں کا فیصلہ جو لکھ آئے ہیں وہ بھی آپ کی مہارت حساب کا ایک نمونہ ہے۔

❀❀❀❀